مقصودِ تخلیقِ کائنات

(۲)

جناب غلام نبی صاحب مسلم لاہور

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کی ہوئی امت اب ہمیں انتہائی بلندی پر نظر آتی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے تمھیں دنیا میں برگزیدہ کیا، منتخب کیا، چن لیا، تم اس زمانے میں بہترین اُمت ہو، اور یہ شرف قیامت تک حاصل رہے گا، تمھارے بعد اب کوئی دوسری امت نہیں ہوگی، تمھاری اتباع ہی اب رضائے الٰہی کے حصول اور ارتقائے انسانیت کی ضامن ہے۔ تمھیں عین تمھاری فطرت کے مطابق کتاب ہدایت دی گئی ہے۔ جس کی پیروی میں کوئی الجھن اور مشکل نہیں، تم ہی وہ امت مسلمہ ہو، جس کے لئے تمھارے آبا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے دعا کی تھی، تم ہی حاصلِ کائنات ہو، اور قرآن حکیم میں بھی تمھیں یہی نام دیا گیا ہے، تم دنیا میں اللہ کی ہستی، خاتم الانبیاؐ کی صداقت اور قرآن پاک کی تعلیمات کی عظمت پر گواہ ہو، تمھارا فرض ہے، کہ تم اپنے علم و عمل سے اسلام کی صداقت دنیا میں ظاہر کرو، خدمتِ خلق اور حسنِ سلوک کے ذریعے امتِ خیر ہونے کا ثبوت مہیا کرتے رہو، اور قیام حق، استیصال باطل، اور استحکام عدل و انصاف کے لئے متواتر جہاد کبیر کرتے رہو، حتیٰ کہ تم باطل کو کچل ڈالو، اسلام کو غالب کرو، اور ظلم و جور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو،

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران ۱۱۰)

"تم سب سے زیادہ نفع رساں اُمت ہو، جو لوگوں کی بھلائی کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں کی بیخ کنی کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان لاتے ہو"

اس امت کا اولین فریضہ یہ قرار پایا کہ وہ اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں قیامت تک يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کے مقصدِ خداوندی کی تکمیل و تعمیل کرتی رہے، دنیا میں قرآنی تعلیمات پہنچاتی رہے، نوعِ انسان کا تزکیہ کرے، اور انھیں کتاب حکمت کی تعلیم دیتی رہے،

انبیاء کی موعود امت مسلمہ گذشتہ سطور میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ تخلیقِ آدم سے اللہ تعالیٰ کا منشا، ایک امتِ مسلمہ کا قیام تھا، جو دنیا میں آسمانی تعلیمات اور روحانی اقدار کی نمائندہ وحامل ہو، جو نہ صرف خود عدل وانصاف پر قائم ہو، بلکہ برادرانِ نوع کو اس کی دعوت دے اور نوعِ انسان کو انجامِ کار حسنِ نظر وکردار کی بلندیوں پر پہنچا کر دنیا کو امن وسکون کا گہوارہ بنادے، اس امت کی تشکیل کے لئے ہدایت سماوی کا نزول ہوا، اس کے لئے رسول مبعوث ہوئے اسی کی آرزو اور دعا ابوالانبیا، حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے کی، اسی کی خاطر افضل الرسل خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، اور یہ وہی امت ہے۔ جسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تربیت کرکے تیار کیا جو آپؐ کی جانشین ہوئی، اور جس کے سپرد آج بھی نشرِ توحید، قیامِ انسانیت، احترامِ آدمیت، اتحاد وحریتِ عالم اور استحکام عدل وانصاف کا جہاد ہے، حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ۔

یہی وہ امت ہے۔ جس کا پہلی کتبِ مقدسہ بالخصوص توریت وانجیل میں ذکر پایا جاتا ہے، جو يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ کا خلاصہ اور مصداق ہے۔ سورہ

الفتح میں اسی کی تصریح ملتی ہے :

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ
اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ
تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ
فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ
ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ
فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ
فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى
عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ
بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ
مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (الفتح)

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو اُن کے ساتھ ہیں کافروں کے مقابلے میں قوی اور آپس میں رحم کرنے والے آپ ان کو رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، وہ اپنے رب کا فضل اور اُس کی رضا چاہتے ہیں۔ ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ظاہر ہے، یہ ان کی مثال توریت میں ہے، اور اُن کی مثال انجیل میں کھیتی کی طرح ہے، جس نے اپنی سوئی نکالی پھر اسے مضبوط کیا سو وہ موٹی ہوئی پھر اپنی نالیوں پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ کسانوں کو تو خوش کرتی ہے، تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو غضب میں لائے، اللہ نے ان میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں، مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔"

یہ سورۃ الفتح کی آخری آیت ہے، جو امتِ محمدیہ کی تشفی، کامیابی، تعلق باللہ باہمی محبت اور عظمت کے اظہار کے لئے نازل کی گئی۔ اس آیت سے قبل اسی سورت میں اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کے الفاظ میں فتح کی نوید سنائی گئی ہے، اور صلح حدیبیہ میں جب ان پندرہ سو جاں نثارانِ اسلام نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا انتقام لینے پر قتال کی بیعت کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے الفاظ میں اپنی رضامندی اور خوشنودی کی دولت سے

نوازا، اور اس بات کی سند عطا کی کہ خدا ان کا محبوب ہے، اور وہ خدا کے محبوب ہیں، آیت کے آخر میں اس خلاصۂ انسانیت کے اوصاف عالیہ وصالحہ کو جامع الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے، جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور جو جماعت ان کے ساتھ شریک عمل ومجاہدہ ہے وہ دشمنانِ دین کے مقابل قوی اور سخت ہے، اور آپس میں سرتاپا رحمت ہے، اس کی ظاہری پہچان یہ ہے کہ وہ خدا پرست ہے، ان کے چہروں پر ایمان کا نور ہے، اور پیشانیوں پر سجدوں کے نشان، اور جس طرح ان کے پیغمبر کی بشارت کتب سماوی میں ملتی ہے، اس جماعت کا ذکر بھی پایا جاتا ہے، چنانچہ اگر توریت میں پیشانیوں پر سجدوں کا نشان ان کی نمایاں علامت ہے۔ تو انجیل میں انھیں ایسے پودے سے تشبیہ دی گئی ہے، جیسے کسان بوتا ہے، وہ پھوٹتا ہے، اس سے تنا بنتا ہے، پھر وہ مضبوط اور بڑا ہو کر پھل پھول نکالتا ہے، مخلوقِ خدا اُس سے مستفیض ہوتی ہے، کسان تو اسے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا، لیکن اس کے دشمن حسد کی آگ میں جل جاتے ہیں، اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کا بیج بویا، شب و روز اس کی تربیت فرمائی، حتیٰ کہ یہ امت مضبوط ہو گئی، اس کی ترقی سے اللہ تعالیٰ کا رسول مسرت سے پھولا نہ سماتا تھا، مگر برگ و بار سے لدے ہوئے ان اشجار، آپ کے ساتھیوں، اصحابِ رسولؐ، امتِ مسلمہ کے ملعون و نامراد مخالفین کا گروہ آتشِ غیظ و غضب میں جلتا رہا اور اب تک جل رہا ہے، جب کہ خدا نے اس امت کو مغفرت اور تائید سے نوازا اور رسول کی نصرت واطاعت، خدا پرستی، باہمی محبت وایثار کی وجہ سے مغفرت اور اجرِ عظیم عطا کیا،

توریت اور انجیل کی اس موعود ومبشر جماعت کی تعریف قرآنِ پاک میں قدرے تفصیل کے ساتھ ایک دوسرے مقام پر بھی کی گئی ہے، اور اس تعریف میں بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ یہ امت دنیا بھر میں منفرد نظر آتی ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے :-

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ)

اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں۔ اس کے بدلے میں ان کے لئے جنت ہے، وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، سو وہ مارتے ہیں اور مرتے ہیں، یہ وعدہ اس کے ذمہ سچا ہے توریت اور انجیل اور قرآن میں، اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہے؟ سو اپنے سودے پر جو تم نے اُس سے کیا ہے، خوش ہو جاؤ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

یہ آیت سورۃ توبہ کی ہے، اور آں حضرت صلعم کے آخری ایام کی، جب کہ اصحابِ رسولؐ، اُمتِ مسلمہ، صلحائے ملت اکیس سال کی صبر آزما قربانیوں اور دس سال کی جنگوں اور مالی ایثار کے بعد آخری غزوۂ تبوک سے فائز و کامران لوٹے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں تیسری بار رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کی بشارت سے نوازا تھا، اور اس کے بعد پھر انھیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی، انھوں نے خدا اور رسولؐ سے ایفائے عہد کیا تھا اور فوزِ عظیم کی خوش خبری حاصل کی تھی۔

تاریخ کے اوراق الٹیے اور بار بار اُلٹیے اور بتایئے کہ دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ اُمتِ مسلمہ کے سوا دوسری کون سی اُمت گزری ہے جس نے آئندہ زندگی میں رضائے الٰہی کی خاطر، اس دنیا میں اپنی جان، مال، عزت، گھر بار اہل و عیال، غرضیکہ ہر شے کی محبت کو قربان کر دیا، اور بڑے سے بڑا ابتلا ان کے قدموں کو متزلزل نہ کر سکا

تزکیہ و تشکیل اُمتِ مسلمہ کی مسلسل صبر آزما داستان

انبیاء کے موعود اور میثاق النبیین کی مصداق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۵۷۰ء میں مکہ مکرمہ میں جلوہ افزائے عالم ہوئے۔ دنیا بالخصوص

متمدن دنیا کا مرکزی مقام ہونے کی وجہ سے نشر و اشاعتِ توحید کے لئے مکہ موزوں ترین مقام تھا، اپنی دیگر خصوصیات کی وجہ سے بھی ضروری تھا۔ کہ مکہ ہی میں خدا کا آخری نبیؐ، خدا کا آخری کامل پیغامِ ہدایت لے کر مبعوث ہو جو دنیا میں نشرِ وحدانیت، امن عالم اور وحدتِ نسلِ انسانی کی بنیاد رکھے اسی جگہ بتکدۂ عالم کے درمیان موحدِ اعظم حضرت خلیل اللہ کا تعمیر کردہ بیت اللہ موجود تھا جو خاص طور پر خالص توحید کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا۔ اس بیت اللہ کی بنیادوں میں اُس عشق و محبتِ الٰہی کی روایات کا سمنٹ بھر اگیا تھا جو حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے قائم کی تھیں، چنانچہ دنیا میں یہی ایک مقدس جگہ تھی، جہاں بت پرستی کے باوجود صدیوں سے، ہر سال لاکھوں انسان خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور اللھم لبیك لا شریك لك کا بلند آواز سے اعلان کرتے چلے آئے تھے، مکہ ہی میں خانہ کعبہ، صفا و مروہ اور چشمہ زمزم کی شکل میں وہ آثار و نشانات موجود تھے، جو سیدنا ابراہیمؑ، سیدہ ہاجرہؑ اور سیدنا اسماعیلؑ کے بے نظیر ایثار، عشق الٰہی اور اطاعتِ خداوندی کا اظہار کرتے تھے۔ اور جس کی یاد عملاً ہر سال زائرینِ بیت اللہ کے قلوب میں تازہ ہوتی رہتی تھی، یہی وہ مقام تھا جہاں حضرت ابراہیمؑ نے کفر و شرک کے تہذیبی و مادی مراکز سے بہت دُور، اپنے فرزند اسماعیلؑ کو آباد کیا تھا۔ تاکہ وہ کفر زار عالم میں شمع توحید و ایمان روشن رکھیں، پھر شرق و غرب، شمال و جنوب کے درمیان تجارت مکہ مکرمہ کی راہ سے ہوتی تھی، اور قافلے یہاں سے گزرتے تھے، خود قریش مکہ تجارتی قافلے لے کر ایران، روم، مصر، یمن اور حبش تک جاتے تھے، مگر وہاں کے ادیان و مراسم سے باخبر ہونے کے باوجود اپنے آبائی طریق پر کم و بیش قائم تھے اور کعبہ کے قرب نے انھیں دوسری طرف جھکنے سے روکے رکھا، یہی ریگ زار اور بے آب و گیاہ خطہ تھا، جہاں کے خود سر، اکھڑ، جری، نڈر، صحرائی لا الٰہ الا اللہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، اور اس عظیم اور جرأت آزما پیغام کو قبول کرنے اور اسے اقصائے عالم میں پہنچانے

کے لئے موزوں و منفرد تھے، چنانچہ منشائے الٰہی اور آرزوئے ابراہیمؑ کی تکمیل کے لئے خاتم الانبیاء، رحمۃ للعالمین، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا، تاکہ آپ ذریتِ خلیل اللہ سے امتِ مسلمہ تیار کر کے قیامت تک باطل پرستوں کے خلاف جہاد کے لئے تیار کر دیں۔ اور یہ حزبُ اللہ شیطانی قوتوں کا سر کچلے اور انسانی معاشرے کو پاک و بلند کرکے پھر سے جنت کی فضاؤں میں پہنچا دے، جہاں سے اسے نکالا گیا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمِ الٰہی سے اپنی قوم کو لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ پر ایمان لانے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی دعوت دی، خدائے واحد کی عبادت اور محمدؐ رسول اللہ کی رسالت ایک ایسی اساس، مضبوط و مستحکم اساس تھی، جس پر وحدتِ دین، وحدتِ امت، وحدتِ نوعِ بشر، عدل و انصاف، امنِ عالم اور خوش حالی کی عظیم عمارت تعمیر کی جاسکتی تھی، چنانچہ اس دعوت کو سنتے ہی سعید الفطرت انسانوں کا ایک گروہ آگے بڑھا اور لبیک کہتے ہوئے پکار اٹھا۔

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا (آل عمران)

"اے ہمارے مولا! ہم نے ایک پکارنے والے کی صدا کو سنا کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ پس ہم ایمان لے آئے ہیں"۔

لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دنیا کی ہر باطل قوت سے ٹکر لینے اور احکامِ الٰہی کے قیام کے لئے دیگر تمام نظاموں کو تہ و بالا کرنے سے عبارت تھی، حضرت رسول اللہ نے یہ دعوت دے کر جہاں انتہائی بلندیوں کی طرف اٹھایا وہاں مخالفت کے پہاڑوں سے ٹکرانے اور عداوت کے سمندروں کو عبور کرنے کی آزمائش میں ڈالا، ان حالات میں جس خوش نصیب فرد نے آمنّا کا نعرہ لگایا اس کے ایمان کی نظیر دوسری امتوں میں مشکل ہی سے ملے گی۔ بالخصوص جس ماحول میں یہ دعوت دی اور قبول کی گئی، وہ وحشت، غیر ذمہ داری، لاقانونیت، ظلم و شقاوت، قتل و غارت، خودسری و خود پرستی، نسب و نسل پر فخر و غرور کا خوفناک مرقع تھا، اور

اہلِ مکہ، مجاورانِ حرم، تو خاص کر معبودانِ باطل اور آبا و اجداد کے توہمات کے مقابل۔
کسی قربانی اور ظلم سے دریغ نہ کرتے تھے، اور کعبہ کی تولیت نے انھیں عربوں میں جو ممتاز
مقام بخش رکھا تھا، اس نئی دعوت کو قبول کرکے اس سے کسی قیمت پر دست بردار ہونا ان
کے اقتدار اور منزلت کی موت تھا، اور دنیا میں کوئی فرد یا گروہ جیتے جی اپنی عزت، شہرت،
وقار اور رسوخ کے محضرِ موت پر بخوشی دستخط نہیں کرتا۔

تدریجی تزکیہ و تطہیر کا مختصر سا جائزہ | جس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی
دعوت دی تو قریش مکہ اور اہلِ عرب نہ صرف بتوں کے پجاری تھے، بلکہ وہ رنگ، نسب او
دولت پر مبنی امتیازات کا بھی شکار تھے، پھر وہ اخلاقی لحاظ سے خواہشات نفسانی کے
غلام اور حیوانی تقاضوں کی آہنی گرفت میں تھے، اور اس ضمن میں کسی قسم کی اخلاقی پابندیاں برداشت
کرنے کو تیار نہ تھے، ایسے حالات میں ہر قبیلے اور خاندان کے سعید الفطرت افراد دائرہ اسلام
میں داخل ہونے لگے، ان کا تعلق مکہ کے چھوٹے بڑے سبھی قبائل سے تھا اور چوں کہ اس
زمانے میں قبیلے کے استحکام، بقا اور دوام ہی دوسری ہر شے پر مقدم تھا۔ اور اسلام قبول کرنے
کا مطلب یہ تھا کہ کسی قبیلے کا فرد اسلام قبول کرکے اپنی اطاعت، عقیدت اور وفاداری قبیلہ
سے باہر، پیغمبر اسلامؐ سے وابستہ کرچکا ہے اپنے قبیلے کے دین، رسومات اور عصبیت سے منحرف
ہوگیا ہے۔ اور قبیلے کو چھوڑ کر غلاموں، ضعیفوں، عجمیوں اور دشمنوں پر مشتمل جماعت کا رکن بن
گیا ہے۔ اس لئے ہر قبیلے میں اضطراب اور نفرت کی لہر دوڑ گئی اور انھوں نے پوری قوت سے
اسلام کی عالمگیر تحریک کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں احرار و اشراف قریش
بھی تھے اور غلام بھی، ان میں دولت مند بھی تھے اور مفلس و نادار بھی، عربی بھی تھے اور عجمی بھی،
چنانچہ جوں ہی آپ نے تبلیغ کی ابتدا کی آپ کی رفیقۂ حیات ام المومنین خدیجہؓ اور آپ کی
صاحبزادیاں سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ، خورد سال سیدہ فاطمہؓ اور سیدہ ام کلثوم، آزاد کردہ

غلام حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، اسلام پر ایمان لانے والوں میں زندگی کے قریب ترین رفقاء کی شرکت بانیٔ اسلامؐ کے کردار کی بلندی اور صداقت پر نشان ہے، بیوی (خدیجہؓ) دوست (ابو بکر صدیقؓ) اور خادم (زید بن حارثہؓ) سے آپ کی حیاتِ طیبہ کا کون سا گوشہ پوشیدہ تھا، اور ان تعلقات کے پیش نظر عام حالات میں آپؐ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لینا اور اپنی زندگی آپؐ کی اطاعت میں دے دینا آپؐ کی غیر معمولی شخصیت اور عظمت کی بدولت ہی ممکن تھا، لیکن آپؐ کی عظمت، بے داغ زندگی اور امانت داری پر آپ کا یہ اعلان بھی شاہد تھا کہ لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ میں تم ہی میں پیدا ہو کر تمہارے درمیان بچپن اور جوانی کے مسلسل چالیس سال گزارے ہیں جس کی پاکیزگی پر بچہ بچہ گواہ ہے، پھر تمھیں میرے دعوئ رسالت پر کیا اعتراض اور شک ہے نیز لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ کے الفاظ بھی آپ کے کردار عالیہ پر غور کی دعوت دیتے ہیں۔ کہ یہ رسول تمھارے ہی شہر، تمھاری ہی نسل و قوم تمھاری ہی زبان سے تعلق رکھتا ہے اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تمھارے درمیان تمھاری نگاہوں کے سامنے گزرا، اس نے تمھارے دکھ درد، شادی غمی میں شرکت کی ہے، اور تم ان کی دیانت، امانت، صداقت، عدالت، راست روی اور دل سوزی پر شاہد ہو، ان باتوں کے ہوتے ہوئے تمھارے پاس اسے جھٹلانے اور اطاعت سے انکار کی کیا وجہ اور دلیل ہے

ایک بے نظیر ناصر کی رفاقت | ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کو عام کیا تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام کی صورت میں ایک معاون و ناصر عطا کر دیا تھا، اسی طرح اس مثیل موسیٰ کو بھی ابتدا ہی میں سیدنا ابو بکرؓ کی ذات میں ایک پُرجوش و مخلص ناصر اور جاں نثار مل گیا، ارشاد خداوندی ہے:-

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۔ اے رسول! اعلان کر دے کہ یہ میرا راستہ ہے،

عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ　　میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اور وہ بھی جو میری
(یوسف)　　پیروی کرتا ہے، دونو بصیرت پر قائم ہیں۔"

اعلانِ رسالت کے بعد آپ کی تیرہ سالہ مکی زندگی میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ واحد مومن اور متبع ہیں، جنھوں نے ارشادِ خداوندی کے مطابق اتباع کا کامل ترین نمونہ پیش کیا اور اپنی زبان، دولت اور ایثار سے تاریخِ اسلام کی اور جہاں ابتداء ہی میں آپ کی مبارک مساعی سے مکہ کے معزز خاندانوں کے بعض چشم و چراغ، حضرت عثمانؓ بن عفان اُموی، حضرت زبیرؓ بن العوام اسدی، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف زہری، حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ تیمی، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص وغیرہم امت مسلمہ میں شامل ہو گئے (یہ پانچوں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) وہاں اس ناصرِ رسول نے مالی قربانی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور مکہ کے جو غلام ایمان لانے کی وجہ سے کفار کے جور و ستم کا شکار ہو رہے تھے، انھیں زرِ کثیر صرف کر کے ان کے ظالم آقاؤں سے خرید کر آزاد کر دیا، حضرت بلالؓ، حضرت ابوفکیہہؓ، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت زنیرہ وغیرہم کو خرید کر آزاد کرنے کا شرف سیدنا صدیق ابوبکر کو ہی حاصل ہے، پھر اسی قدر نہیں آپ آں حضرت صلعم کے ہمراہ مختلف قبائل میں تبلیغ کے لئے جاتے رہے: اور کئی بار اپنے آقا کو بچاتے ہوئے خود شدید زخمی ہوتے مکی زندگی میں یہ شرف زیادہ تر صدیق اکبرؓ کو ملا حتیٰ کو ہجرت کے وقت، حضور اکرمؐ کی معیت اختیار کر کے مال و جان کو پیش کر دیا، اور اس ایثار کے صلہ میں غارِ ثور میں آں حضرت صلعم کی زبانِ مبارک سے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کی بشارت ابدی سے شرف یاب ہوئے، مکہ میں تیرہ سال کے عرصہ میں، امت مسلمہ کے اس آیندہ قائد نے اپنی شہرت، تجارت اور مجلسی وقار و عزت کو حق کی راہ میں قربان کر دیا، اور تاریخ امت کے اس انتہائی نازک دور میں ایثار و قربانی کی دوڑ میں سب پر سبقت لے گئے، سیدنا صدیق اکبرؓ جب اتباع نبی میں ثابت قدم رہے۔ ہر آزمائش میں پورے اُترے اور ابتلاء کی بھٹی سے کندن بن کر نکلے، تو خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آں حضرت صلعم نے اپنی رحلت کے وقت حج،

اجتہاد اور صلوٰۃ میں آپ کو امام المومنین بنا دیا، وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

اسلام کے ابتدائی دور میں اہلِ ایمان کی تعداد بتدریج بڑھی، اس لئے آں حضرت صلعم کو جہاں مخالفین میں اشاعت اسلام کی فرصت ملتی رہی وہاں آپ نے پوری توجہ ان نو مسلموں کی دینی تعلیم، تزکیہ نفس، تعمیر اخلاق اور قیادت عالم کی تربیت پر صرف کر دی، اہلِ ایمان کا یہ مختصر گروہ دن میں ایک بار کہیں نہ کہیں محفوظ مقام پر اکٹھا ہوتا، قرآن کی نئی نازل شدہ تعلیمات سے آگاہ ہوتا، آں حضرت صلعم سے معارفِ قرآن سنتا، جماعتی مشکلات پر غور کر کے اُس کا حل سوچتا، برادرانِ نوع کی فلاح و بہبود کے وسائل پر غور کرتا، راتوں کو اٹھ کر خدا کی عبادت کرتا، جس کی تائید سورہ مزمل کے الفاظ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ (اے نبی! بے شک تیرا رب جانتا ہے، کہ تو قریب دو تہائی، نصف اور ایک تہائی رات، تہجد ادا کرتا ہے، اور اہلِ ایمان کا ایک گروہ بھی تیری اقتدا کرتا ہے) سے ہوتی ہے پھر یہ گروہ قربِ الٰہی کی اس ساعت میں، بارگاہِ خداوندی میں الحاح وزاری کرتا ہے۔ کہ دنیا میں توحید کا دور دورہ ہو، خدا کا نام بلند ہو، خانہ کعبہ بتوں کی نجاست سے پاک ہو، ملک میں عدل وانصاف اور امن وامان ہو، جور و ستم ختم ہو، انسان انسان کے استحصال و مظالم سے آزاد ہو، غربت، جہالت اور بداخلاقی دور ہو، اور ہر طرف اخوت، مساوات اور حریت کی جاں فزا ہوائیں چلیں۔

دعائے ابراہیمی کے ہر دو ثمرات ——— مطہر و مزکی رسولؐ اور امت مسلمہ ——— ابتدا میں کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ کی مانند انتہائی کمزور تھے مگر ان کے ایمان چٹانوں کی طرح مضبوط، حوصلے پہاڑوں کی طرح بلند، اور ایثار و قربانی کا جذبہ تاریخ عالم میں بے مثال تھا۔ انھیں ہر گونہ مظالم کا نشانہ بنایا گیا، لیکن ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ بعثت کے پانچ سال بعد، اس آسمانی باغبان کے لگائے ہوئے اشجارِ امت کی تعداد بڑھ کر ایک سو مرد و زن تک جا پہنچی، اس نونہالِ امت کا تنا مضبوط تر ہوتا جا رہا تھا، اس لئے دشمن کا غیض و

غضب بھی شدت اختیار کر رہا تھا، اس لئے حضرت ابراہیمؑ کی سنت کے ان پیروکاروں نے سنتِ ابراہیمی کو زندہ کیا، اور اِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي کا اعلان کرتے ہوئے ایک سو سے زیادہ زن و مرد، رضائے الٰہی کی خاطر، گھربار، مال و دولت، خویش و اقارب، اپنے پیارے نبی اور بیت اللہ شریف کا قرب چھوڑ کر مغرب میں سمندر پار ملک حبشہ میں پناہ گزیں ہوگئے۔ تاکہ آزادانہ ایمانی تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرسکیں، ایمان کی خاطر ایسے ایثار کا مظاہرہ اُس اعلیٰ تربیت کا نتیجہ تھا جو ہادی برحقؐ نے ایک قلیل مدت میں فرمائی۔

ان فرزندانِ توحید کے نزدیک قبولِ اسلام محض زبان سے اقرارِ توحید و رسالت کا نام نہ تھا، بلکہ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سے عبارت تھا، محض زبان سے کسی صداقت کا اقرار اور عملاً اس سے دوری کفر سے چنداں دور نہیں، اور یہ منتخب روزگار رجال تو ایمان لاتے ہی باطل سے ٹکراتے اور اسلامی زندگی کے سانچے میں ڈھل جاتے، گویا کہ وہ چلتے پھرتے اسلام، قرآن اور آں حضرت کا عکس تھے، ان کے نزدیک قرآن کے رنگ میں رنگین ہوجانے اور رسولِ خداؐ کے ہر حکم کی پیروی کا نام اسلام پر ایمان لانا تھا۔ ورنہ کفر اور کھلی منافقت، جس کا نتیجہ دنیا و آخرت میں خدا کی لعنت اور ذلت و رسوائی ہے۔ اہلِ ایمان تو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ اکرمؐ کی محبت سے سرشار ہوجاتے، بدیوں کو پاؤں تلے روندتے، معاشرے کی ہر غیر اسلامی حرکت سے اظہارِ بےزاری کرتے، حسن و احسان کی راہ پر چل نکلتے، اور اس طرح ان کی زندگیوں میں انقلاب آجاتا، نتیجہ یہ نکلتا کہ اپنے اور بیگانے سب ان کے حسنِ عمل اور اخلاقِ حسنہ سے متاثر ہوکر اسلام کے قریب آجاتے۔ یہی وجہ ہے کہ حبش پہنچنے پر انھیں سر آنکھوں پر جگہ دی گئی، وہ جب تک وہاں رہے، امن سے رہے، اور جب کفارِ مکہ کے رؤسا انھیں واپس لانے کے لئے نجاشی والیٔ حبشہ کے دربار میں پہنچے تو اس نے مہاجر مسلمانوں کو واپس کرنے سے انکار کردیا، کیا یہ تائید ایزدی ایمان کے بغیر ممکن تھی؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ

لِیُظْهِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ" (اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول ہدایت اور حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے) کا اعلان ایسے حالات اور زمانے میں کیا تھا، جب کہ مسلمان قلیل اور کمزور تھے، اس کے ساتھ ہی آپؐ نے اپنی تبلیغ کو جبر و تشدد سے آزاد اور حق و حکمت کے ساتھ لوگوں تک قرآن پیش کرنے تک محدود رکھا تھا، اور آپؐ کے مٹھی بھر نام لیوا اسی یقین سے سرشار، اپنے قول و عمل سے اسلام کی اشاعت کر رہے تھے۔ مگر بعض اہلِ ایمان ایسے بھی تھے جو کفار کی مادی اور جسمانی قوت کو خاطر میں نہ لاتے تھے، اور نہایت بے خوفی سے ان کی محفلوں میں اظہار ایمان کرتے تھے، ان کی اس جراتِ ایمانی سے جہاں کمزور و ناتواں اہلِ ایمان کے حوصلے بلند ہوتے تھے، وہاں مخالفین کے قلوب میں بھی خوف پیدا ہوتا تھا اور اس قسم کے واقعات سے لوگوں کی توجہ بار بار اسلام کی طرف مبذول ہوتی تھی، مکی زندگی میں اس قسم کی بعض نمایاں مثالیں ملتی ہیں۔

حضرت فاروق اعظم عمر ابن الخطاب مکہ کے مشہور قبیلہ عدی کے فرزند تھے، عین جوانی میں ۲۷ سال کی عمر میں قبول اسلام کی سعادت نصیب ہوئی، اپنی قوت، شجاعت اور شمشیر زنی میں مشہور تھے، قریش مکہ میں معزز مقام رکھتے تھے، اسلام لاتے ہی خدمتِ نبوی میں عرض کی کہ حضورؐ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بتوں کے پجاری، باطل کے پرستار تو حرم کعبہ میں من مانی کریں، اور خدائے واحد کے پرستار دبکے بیٹھے رہیں، آپ میرے ساتھ تشریف لائیے، اور حرم میں باقاعدہ آزادانہ نماز با جماعت ادا کیجئے دیکھتا ہوں کون ماں کا لال ہمیں روکتا ہے۔ اس پر آں حضرت صلعم صحابہ کے ساتھ اٹھے، حضرت عمرؓ شمشیر بکف آگے آگے چلے، حرم کعبہ میں پہنچے، مسلمانوں نے پہلی بار وہاں با جماعت نماز ادا کی، اور سیدنا عمرؓ کے خوف سے کسی مخالف کو روکنے کی جرات نہ ہوئی، اس کے بعد آپ نے کفار کے درمیان کھڑے ہو کر اپنے ایمان کا اعلان کیا، اور ہاتھا پائی تک نوبت پہنچی، یہی عمرؓ جب چند سال بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانے لگے، تو کھلے بندوں اعلان کیا، کہ کسی کو جرات ہو تو روکے، مگر کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا حوصلہ نہ پڑا، اور وہ

آپ کئی ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ تشریف لے گئے، اسی قسم کا واقعہ سیدنا حمزہؓ کو پیش آیا، ایک دن ابوجہل عمرو بن ہشام مخزومی نے آں حضرت صلعم سے سخت کلامی کی، آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کو معلوم ہوا تو جوش حمیت میں بھتیجے کا انتقام لینے کے لئے ابوجہل کے پاس گئے، اسے سخت سست کہا اور اپنی کمان سے اسے زخمی کر دیا مگر ابوجہل کو مقابلے کی جرأت نہ ہوئی، اور پھر آں حضرتؐ کی ترغیب و تبلیغ سے اسلام قبول کر لیا، اور کسی کو اُف کرنے کا حوصلہ نہ پڑا، لیکن اس عاشقانہ دلیری سے کفار کے سینوں میں آتش انتقام اور بھڑکتی تھی، اور اس کا ہدف اکثر امتِ مسلمہ کے ضعفاء بنتے تھے۔

کسی باقاعدہ آئین، حکومت، ضابطۂ اخلاق اور نظامِ عدل وامان کی عدم موجودگی میں کسی مومن کی جان، مال اور آبرو مکہ کی سرزمین بے آئین میں محفوظ نہ تھی، لیکن اہلِ ایمان کو کسی حد تک جس بات نے قتل و ہلاکت سے محفوظ رکھا وہ قبائلی عصبیت و حمیت تھی، عرب کے قبائلی نظام میں ایک ایک فرد انتہائی قیمتی ہوتا تھا اور ہر قبیلے کا فرض تھا کہ وہ قبیلے کے ہر فرد کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کرے کیوں کہ کسی قبیلے کی غیرت، عزت، حریت اور مروت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ اپنے ہر رُکن کی حفاظت کرے، خواہ اس کا عقیدہ، مذہب چال چلن کیسا ہی کیوں نہ ہو، خود آں حضرت صلعم نے لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی کے الفاظ میں اسی قرابت داری کو اپیل کیا، کہ میں تم سے رشد و ہدایت کے صلے میں کسی بات کا طالب نہیں ہوں، لیکن میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت داری ہے، اسے نظر انداز نہ کرو یہی وجہ ہے کہ گو بڑے بڑے قبائل کے افراد مسلمان ہوئے لیکن انھیں خاندانی دباؤ یا نفرت کے سوا زیادہ جسمانی تکالیف کا سامنا نہ کرنا پڑا اور جس شخص کا قبیلہ طاقتور ہوتا تھا، دوسرے قبائل اسے قتل کرنے کی جرأت نہ کرتے تھے، کیوں کہ کسی خاندان کے فرد کی کسی دوسرے قبیلے کی طرف سے ایذا رسانی باہمی جنگ اور شدید خونریزی کی شکل اختیار کر لیتی تھی خود آں حضرت صلعم کے قبیلہ کے اکثر افراد آپ پر ایمان نہ لائے، آپ کے چچا ابولہب، اس کی بیوی

ام جمیل اور دیگر افراد پریشان کرتے رہے، اور بعض دوسرے لوگ تحقیر آمیز سلوک کرتے رہے۔ لیکن آپ کی جان خطرے میں نہ تھی حتیٰ کہ جب آپؐ کا مجلسی مقاطعہ کیا گیا تو (بجز ابولہب) بنی ہاشم نے مقاطعہ کے خاتمے تک مصائب میں آپؐ کا ساتھ دیا۔ لیکن یہ شہادت نہیں ملتی کہ اس قدر خاندانی عصبیت کے باوجود کوئی آپ پر ایمان بھی لایا ہو، حتیٰ کہ جنگِ بدر میں خاندان کے دیگر افراد تو درکنار ابو طالب عبدِ مناف کے دو بڑے فرزند اور سیدنا علیؓ کے برادرانِ بزرگ طالب اور عقیل، آپ کے چچا عباس اور عمزاد بھائی نوفل بن حارث وغیرہم کفار کی طرف سے آپؐ کے خلاف صف آرا تھے جن میں سے طالب تو قتل ہوا اور عقیل اور عباس گرفتار کر لیے گئے، یہی حال دیگر مسلمانوں کا تھا، چنانچہ ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کفار کے تشدد سے بے ہوش ہو گئے۔ تو آپ کے قبیلے کے لوگ آپ کو بچا کر لے گئے، حالاں کہ وہ مسلمان نہ تھے، اس کے علاوہ عربوں کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ جب کوئی ان سے پناہ طلب کرتا تو پھر ان کا وقار آڑے آتا اور وہ اپنی شرافت و حمیت کے پیشِ نظر پناہ دے دیتے، اور اس طرح کئی مسلمان ان کی پناہ کی وجہ سے محفوظ رہتے، چنانچہ ایک بار حضرت ابوبکر صدیقؓ ہجرت کے ارادے سے مکہ چھوڑ گئے تو قبیلہ قارہ کے رئیس ابن الدُّغنَّۃ انھیں اپنی پناہ میں واپس لے آئے۔ اور کسی نے آپ کی طرف میلی آنکھ سے نہ دیکھا، اسی طرح جب آں حضرت صلعم طائف کے حادثہ کے بعد مکہ کو لوٹے تو آپ مکہ میں داخلے کے وقت خطرہ محسوس کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ بنی نوفل کے رئیس مطعم بن عدی کی پناہ میں گھر آئے۔ (باقی)

گزارش

خریداری بُرہان یا ندوۃ المصنفین کی ممبری کے سلسلے میں خط و کتابت کرتے وقت یا منی آرڈر کوپن پر بُرہان کی چِٹ نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں۔ تاکہ تعمیلِ ارشاد میں تاخیر نہ ہو۔ اس وقت بے حد دشواری ہوتی ہے جب ایسے موقع پر آپ صرف نام لکھنے پر اکتفا کر لیتے ہیں۔